شبیر احمد خاں غوری

# علمِ کلام کا آغاز و ارتقاء

اسلامی فکر میں علمِ کلام کا آغاز ثقافتی ارتقاء کے عام قوانین کا فطری تقاضا تھا۔ ہر مذہب کو جلد یا بدیر دنیا کے سامنے اپنی تعلیمات عقل کی کسوٹی پر کس کر پیش کرنا ہوتا ہے۔ بالخصوص جب ملکی توسیع یا دینی تبلیغ کے سلسلے میں دوسری اقوام سے جن کے معتقدات اُس کی تعلیمات سے متصادم ہوتے ہیں سابقہ پڑتا ہے تو اُسے اپنی تعلیمات کی صحت و معقولیت عقلی دلائل کی مدد سے واضح کرنا پڑتی ہے۔ نیز مخالفین کے شکوک و شبہات اور اعتراضات کا جواب عقلی بنیادوں پر مہیا کرنا ہوتا ہے۔ اسلام کو بھی غیر قوموں سے سابقہ پڑا، تو اپنی فکری مساعی کو اس جہت میں منعطف کرنا پڑا۔ یہی علمِ کلام تھا چنانچہ المواقف میں علمِ کلام کی یہی حقیقت بتائی گئی ہے:

الکلام علم بامور یقتدر معه اثبات العقائد الدینیة بایراد الحجج ودفع الشبه (المواقف موقف اوّل مرصد اوّل مقصد اوّل)

علمِ کلام وہ علم ہے جس کے ذریعہ عقائدِ دینیہ کے ثابت کرنے پر قدرت حاصل ہوتی ہے بایں طور کہ اُن کے ثبوت میں حجتیں لائی جائیں اور اُن پر جو شبہات وارد ہوتے ہیں اُنھیں دفع کیا جائے۔

## علمِ کلام کا پہلا دور

اس علم کلام کی بنیاد کب اور کس طرح پڑی، یہ تاریخ فکرِ اسلامی کا ایک دلچسپ مسئلہ ہے۔ اس کی تفصیلات میں گئے بغیر یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کلامی تفکیر کے قدیم نمایندے معتزلہ تھے اور معتزلی مکتبِ فکر کا قدیم ترین نمایندہ، بلکہ اکثر مؤرخین کے نزدیک اُس کا بانی، واصل بن عطاء تھا جو اپنے عہد کا مشہور مناظر و خطیب اور (جو چیز اُس زمانہ کے عام علمی حالات کے بموجب غیر معمولی اہمیت رکھتی تھی) کثیر التصانیف مصنف تھا۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست کے تکملہ میں اُس کی متعدد تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں سے مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

کتاب اصناف المرجئة — کتاب السبیل الی معرفة الحق۔
کتاب المنزلة بین المنزلتین — کتاب فی الدعوة
کتاب الخطب فی التوحید والعدل — کتاب طبقات اہل العلم والجہل[1]

حسن بصریؒ کے ساتھ واصل کا واقعہ کہ مؤخر الذکر کے "المنزلة بین المنزلتین" کا نظریہ اوّل احداث کرنے پر اوّل الذکر نے

[1] الفہرست لابن الندیم تکملہ۔

نے "قد اعتزل عنا" کہہ کر اپنے حلقہ سے نکال تھا اور اسی بنا پر وہ اور اس کے متبعین "معتزلہ" کے نام سے موسوم ہوئے مشکوک الصحۃ ہے۔ واصل بن عطاء سے بہت پہلے معتزلہ کی جماعت موجود تھی جو اصولی مسائل دینیہ پر غور و خوض کیا کرتی تھی۔

بہرحال واصل بن عطاء نے ۱۳۱ھ میں وفات پائی اور اس پر علم کلام کے پہلے دَور کا خاتمہ ہو گیا جس کی خصوصیت علامہ تفتازانی کے لفظوں میں حسب ذیل تھی:

ومعظم خلافیاته مع الفرق الاسلامیة۔

اس طبقہ کے اکثر اختلافات اسلامی فرقوں کے ساتھ تھے۔

## علم کلام کا دوسرا دَور

واصل بن عطاء کی وفات کے اگلے سال عباسی حکومت کا آغاز ہوا اور اس کے ساتھ علم کلام کا بڑا دَور بلکہ اصلی کارنامہ شروع ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

عباسی حکومت کا آغاز محض حکمران خاندانوں کی تبدیلی ہی نہ تھا بلکہ "عرب کے سوزِ دروں پر عجم کے حسن طبیعت" کے غلبہ کا آغاز تھا۔ عباسی عجمیوں کی امداد سے برسرِ اقتدار آئے تھے لہٰذا دربارِ خلافت نے ان کے معاملے میں زیادہ نرم پالیسی اختیار کی۔ حریتِ فکر کے نام پر مخالفین و معاندین نے اسلام پر جا و بےجا اعتراضات کرنا شروع کئے اور الحاد و زندقہ کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اسی زمانہ میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہونا شروع ہوا جس سے اس تحریک کے شیوع میں بہت مدد ملی اور کچھ ہی دنوں میں اس نے خطرناک شکل اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸-۱۶۹) کو اس کے انسداد پر خاص طور سے توجہ دینا پڑی۔ اُس نے ایک جانب زنادقہ کی امن سوز تخریبی کارروائیوں پر قابو پانے کے لئے ایک خصوصی پولس افسر "صاحب الزنادقہ" کا عہدہ قائم کیا اور دوسری جانب اُن کے اصولی نظریات کی تنقید و تردید کے لئے متکلمین و اہلِ جدل کو بلا کر اُن کے خلاف کتابیں لکھوائیں۔ چنانچہ مسعودی لکھتا ہے:

"وكان المهدي اول من امر الجدليين من اهل البحث من المتكلمين بتصنيف الكتب في الرد على الملحدين ممن ذكرنا من الجاحدين وغيرهم واقاموا البراهين على المعاندين وازالوا شبه الملحدين فاوضحوا الحق للشاكين"۔

اور مہدی نے سب سے پہلے طبقہ متکلمین میں سے مناظروں کو بلا کر ملاحدہ اور دیگر مخالفین کے رد میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے کتابیں تصنیف کرنے کا حکم دیا اور انھوں نے مخالفین کے مقابلے میں دلائل قائم کئے، ملاحدہ کے شبہات کا ازالہ کیا اور متشککین کے واسطے حق کو واضح کیا۔

اس طرح علم کلام کے دوسرے دَور کا آغاز ہوا۔ علامہ تفتازانی نے شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے:

ثم لما نقلت الفلسفة عن اليونانية الى العربية وخاض فيها الاسلاميون وحاولوا الرد على الفلاسفة فيما خالفوا فيه الشريعة فخلطوا بالكلام كثيراً من الفلسفة ليتحققوا مقاصدها فيتمكنوا

پھر جب فلسفہ یونانی سے عربی میں ترجمہ ہوا اور مسلمانوں نے اُس میں غور و خوض کیا اور جن اُمور میں فلسفہ نے شریعت کی مخالفت کی اُس کی تردید کا ارادہ کیا تو کلام میں بہت سے فلسفے کے مسائل ملا دیئے تاکہ اُن کے مقاصد کی تحقیق کر سکیں اور اس طرح اُن کے باطل کرنے پر

من ابطالها..... وهذا المتاخرين۔ قادر ہوسکیں...... اور یہ متاخرین کا علم کلام ہے۔

اب متکلمین دربارِ خلافت پر چھا گئے اور درباری قدر دانی وہمت افزائی کی بنا پر مشاہیر معتزلہ مثلاً ابوالہذیل العلاف، ابراہیم بن سیار النظام، ہشام بن الحکم، بشر بن المعتمر، ثمامہ بن اشرس، معمر بن عباد، فضل الحدثی، احمد بن حابط، وغیرہم کا ظہور و نبوغ ہوا۔ ان لوگوں نے مخالفین کی تنقید و تردید انھیں کے اصولوں پر کرنے کے لئے اُن کے مذاہب بالخصوص یونانی فلسفہ کا بڑا عمیق مطالعہ کیا چنانچہ اُن کی علمی سرگرمیوں کے متعلق شہرستانی نے لکھا ہے:

"ثم طالع بعد ذلك شيوخ المعتزلة كتب الفلاسفة حين فسرت ايام المامون فخلطت مناهجها بمناهج الكلام..... فكان ابوالهذيل العلاف شيخهم الاكبر وافق الفلاسفة ... ثم ابراهيم بن سيار النظام في ايام المعتصم كان اعلى في تقرير مذاهب الفلاسفة...... ومن اصحابه محمد بن شبيب والوشمر وموسى بن عمران والفضل الحدثي واحمد بن حابط ووافقه الاسوارى في جميع ما ذهب اليه من البدع وكذلك الاسكافيه اصحاب ابي جعفر الاسكافي والجعفرية اصحاب الجعفرين جعفر بن مبشر وجعفر بن حرب ثم ظهرت بدع بشر ابن المعتمر من القول بالتولد والافراط فيه والميل الى الطبيعين من الفلاسفة"

اس کے بعد فلسفہ کی کتابیں مامون الرشید کے زمانہ میں ترجمہ ہوئیں تو مشاہیر معتزلہ نے اُن کا مطالعہ کیا اور اس طرح فلسفہ کے مناہج کو علمِ کلام کے مناہج کے ساتھ خلط ملط کر دیا...... چنانچہ ابوالہذیل العلاف جو اُن کا مشہور عالم تھا وہ فلاسفہ کا ہم زبان تھا...... پھر ابراہیم بن سیار النظام جو معتصم باللہ (۲۱۸۔۲۲۷) کے زمانہ میں تھا مذاہب فلاسفہ کی تقریر میں دستگاہِ کامل رکھتا تھا.... اُس کے شاگردوں میں محمد بن شبیب، ابوشمر موسیٰ بن عمران، فضل حدثی اور احمد بن حابط تھے، نیز الاسواری نے اُس کی جملہ بدعات میں اُس کی موافقت کی تھی۔ اسی طرح فرقہ اسکافیہ نے جو ابوجعفر الاسکافی کے پیرو تھے اور جعفریہ فرقے نے جو جعفر بن مبشر اور جعفر بن حرب کے متبع تھے (اُن کی موافقت کی) پھر بشر بن المعتمر کی بدعتوں کا زمانہ آیا جو تولد (علت ثانیہ) کا قائل تھا بلکہ اُس میں مبالغہ کرتا تھا اس کے علاوہ فلاسفہ میں سے طبیعین کی جانب اُس کا میلان تھا۔

مخالفینِ اسلام کے افکار و آراء کے مطالعہ پر زیادہ وقت صرف کرنے کا یہ فطری نتیجہ تھا کہ ان لوگوں کو کتاب و سنت کے گہرے مطالعہ کا موقعہ نہیں مل سکا اور وہ عقلیت کی پرستاری میں اسلام کی روح سے بیگانہ تر ہوتے گئے۔ یوں بھی اعتزال کی بنیاد شروع ہی سے غیر اسلامی فکری رجحانات سے متاثر تھی۔ جبر و اختیار کے مسئلے میں ان لوگوں پر یہودی (یا نصرانی) تعلیمات کا اور صفاتِ باری کے مسئلے میں یہودی اور نوفلاطونی تعلیمات کا اثر غالب تھا۔ لہٰذا اس عہد کے متکلمین نے جہاں ایک جانب زنادقہ فلاسفہ اور دیگر مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کا دنداں شکن جواب دیا۔ دوسری جانب اسلامی تعلیمات کی غلط ترجمانی پر بھی اصرار کیا۔ اس بے راہ روی کی اصلاح پر علمائے اسلام (محدثین وفقہائے کرام) نے شروع ہی سے توجہ کی۔ قدریت جس کی بدعت آخر عہدِ صحابہ میں پیدا ہو چکی تھی، متاخرین صحابہ نے اُس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اس کی تفصیل علم کلام کی تواریخ میں مذکور ہے۔ اس باب میں امام مالک کا رسالہ

"فی القدر والرد علی القدریۃ"[1] خصوصیت سے قابلِ ذکر ہے۔ انکارِ صفات کی بدعت پہلی صدی کے اختتام پر نمودار ہوئی جس کے بانی جعد بن درہم اور اُس کا شاگرد جہم بن صفوان تھے۔ اس سے مشاہیر تابعین و تبع تابعین نے بیزاری کا اظہار کیا۔ چنانچہ اثباتِ صفات کے موضوع پر قدیم زمانہ ہی سے اکثر محدثین کرام نے قلم فرمائی کی جن کے نام اور تصانیف حافظ ابن تیمیہؒ نے رسالہ حمویہ میں گنائے ہیں۔

لیکن ان کتابوں پر علمِ کلام سے زیادہ حدیث کی مصنفات ہونے کا زیادہ اطلاق ہو سکتا ہے۔ سنی نقطۂ نظر سے اس موضوع پر سب سے پہلی اور سب سے اہم کتاب "فقہ اکبر" ہے جسے امام ابو حنیفہؒ نے تصنیف فرمایا تھا۔ امام صاحب سرآمد فقہائے روزگار تو تھے ہی علمِ کلام میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے بلکہ علمائے متکلمین کے گل سرسبد تھے چنانچہ مشہور ہے:

"الناس عیال علی ابی حنیفۃ فی الکلام"

بہرکیف اس دَور میں (دوسری اور تیسری صدی میں) علمِ کلام کے دو مکاتبِ فکر تھے۔ اہل السنت والجماعت کا علمِ کلام (جو اُس دور میں فرقِ مبتدعہ بالخصوص فرقِ جہمیہ و معتزلہ کے علمِ کلام سے امتیاز کے لئے فقہ اکبر یا علم التوحید والصفات کہلاتا تھا) اور غیر اہل السنت والجماعت کا علمِ کلام جن میں معتزلہ کی کلامی سرگرمیاں زیادہ نمایاں تھیں۔ معتزلی علمِ کلام میں جہاں تک اسلامی تعلیمات کی توجیہ کا تعلق ہے "تعطیل" اور "قدر" پر خصوصیت سے زور دیا جاتا تھا۔ ان میں سے اوّل الذکر یعنی "انکارِ صفات" کے مسئلے نے نصف صدی کے بعد "خلق قرآن" کے فتنہ کی شکل اختیار کر لی جس کے سلسلے میں مشاہیر علمائے وقت کو قید و بند کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں اور جو مامون الرشید (۱۹۸-۲۱۸) کے تاباں و درخشاں عہدِ حکومت پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ مامون کے دو جانشینوں معتصم (۲۱۸-۲۲۷) اور واثق (۲۲۷-۲۳۲) نے بھی اس یک گونہ احتساب مذہبی کی لعنت کو باقی رکھا۔ مگر جب واثق کی وفات کے بعد متوکل باللہ (۲۳۲-۲۴۷) تخت نشین ہوا تو اُس نے اس پالیسی کو موقوف کر دیا۔ احمد بن ابی داؤد جو اس فتنے میں مامون اور اُس کے جانشینوں کا مشیر کار رہا کچھ عرصے بعد معتوبِ بارگاہ ہوا۔ معتزلہ کا اثر و رسوخ دربارِ خلافت سے زائل ہونے لگا اور متوکل نے (کسی وجہ سے بھی ہو) احیائے سنت کے باب میں کمربستگی کا اظہار کیا۔ اس طرح اہل السنت والجماعت کا مسلک یوماً فیوماً ترقی پذیر ہونے لگا۔

چنانچہ مشاہیر محدثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابو عیسٰی ترمذی، امام ابو داؤد سجستانی وغیرہم نے اسی زمانہ میں اپنی اپنی جامع اور سنن مدون فرمائیں۔ اسی طرح مشاہیر فقہاء اپنے اپنے مقام پر تفقہ فی الدین کے فرائض انجام دے رہے تھے مگر خالص کلامی خدمات کے لئے عبداللہ بن محمد بن کلاب القطان، ابو العباس القلانسی، الحارث بن الاسد المحاسبی، عبدالعزیز بن یحییٰ المکی وغیرہم مشہور تھے۔ جو متکلمانہ انداز میں اعتزال کی بیخ کنی کر رہے تھے۔

لیکن معتزلہ نے بھی اس عرصے میں اپنے اثر و رسوخ کو بہت زیادہ بڑھا لیا تھا اور درباری سرپرستی سے محروم ہونے کے بعد

---

[1] الدیباج المذہب: فمن اشہرھا فی ھذا الباب رسالۃ فی القدر والرد علی القدریۃ وھو من خیار الکتب الدالۃ علی سعۃ علمہ۔

بھی وہ علمی دنیا پر چھائے رہے۔ اس عہد (تیسری صدی ہجری) کے مشاہیر معتزلہ حسب ذیل تھے:

ابوجعفر الاسکافی، جعفر بن مبشر، جعفر بن حرب، ابوموسیٰ المردار، ابوعثمان الجاحظ، ابن الراوندی، ابوالحسین الخیاط، ابوالقاسم الکعبی، ابوعلی الجبائی، ابوہاشم، ابوالعباس الناشی، ابومحمد عبداللہ بن محمد الخالدی، ابوعیسیٰ الوراق وغیرہم۔

تیسری صدی کے سرے پر فرقہ معتزلہ کا سید الطائفہ ابوعلی الجبائی تھا جس کے متعلق ابن خلکان نے ابن حوقل کے حوالے سے لکھا ہے:

"ابوعلی الجبائی الشیخ الجلیل امام المعتزلۃ و رئیس المتکلمین فی عصرہ"

## علم کلام کا تیسرا دور

اسی الجبائی کے شاگرد امام ابوالحسن الاشعری تھے۔ کم و بیش چالیس سال تک اعتزال کی آغوش میں پرورش پانے کے بعد جب کہ اُنھوں نے اپنی فطری صلاحیتوں اور ریاض و جگر کاوی سے یہ مرتبہ بہم پہنچا یا تھا کہ اگر وہ معتزلی ہی رہتے تو ابوعلی الجبائی سے بھی بڑھ کر ہوتے اور قوتِ کلام اور تشحیذ ذہنی کی بناء پر ابوالہذیل العلاف کے درجے پر پہنچ جاتے، یکایک محض توفیقِ ایزدی و تائیدِ صمدی سے وہ اس اعتزال سے تائب ہو کر حلقۂ اہلِ السنت والجماعت میں داخل ہوئے۔ اُن کے توبہ کرنے اور گروہِ اہلِ سنت میں داخل ہونے کی تفصیل ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں دی ہے جس کا اعادہ موجبِ تطویل ہوگا۔

بہرکیف تیسری صدی کے سرے پر ۲۹۸ھ میں امام اشعری کی زندگی میں اور اُس کے ساتھ اسلامی سماج میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ تیسری صدی میں خالص اسلامی فکر کو جس کے عَلم بردار محدثین تھے عموماً "حشویت" سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ اس لئے اُس کے نام لیوا کم تھے لیکن جب امام ابوالحسن الاشعری کے مبارک ہاتھوں سے اُمت کی تجدید ہوئی تو فکرِ اسلامی کے دھارے کا رُخ ہی بدل گیا اور چوتھی صدی میں چہار جانب سنت ہی کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ اُن اکابر مفکرین (متکلمین مشاعرہ) کی تعداد جو اُن کے بعد پیدا ہوئے سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہے۔ ان میں سے بعض کے اسماءِ گرامی حافظ ابنِ عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں (از صفحہ ۱۱۰ تا صفحہ ۳۳۰) بیان کئے ہیں اور پھر بھی انہیں عدمِ استقصاء کا شکوہ ہے:

| | |
|---|---|
| ولولا خوفی من الاملال للاسهاب وایثاری الاقتصار لهذا الکتاب للتبیعت ذکر جمیع الاصحاب...... وکنت اکون بعد بذل الجهد مقصراً ومن تقصیری بالاخلال بذکر کثیر منهم معتذراً فکما لا یمکننی احصاء نجوم السماء کذلک لا تمکن من استقصاء ذکر جمیع العلماء۔ | اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ زیادہ گوئی سے قارئین اکتا جائیں گے اور چوں کہ میں نے اس کتاب میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے۔ تو سب بزرگوں کا ذکر کرتا ........ اور پھر بھی باایں ہمہ سعی و کاوش قاصر رہتا بلکہ کوتاہی بیان کا معترف رہتا اور اکثر متکلمین کا ذکر نہ کر سکنے کے لئے معذرت خواہ ہوتا کیوں کہ جس طرح میرے لئے آسمان کے تاروں کا شمار کرنا ممکن نہیں ہے، اسی طرح میں تمام علماء کے ذکر کے استقصاء سے بھی قاصر ہوں۔ |

اس طرح علم کلام کا نیا اور حقیقی دور شروع ہوا۔ امام اشعری نے مذہب اہل السنت والجماعت کی تائید و نصرت میں کم وبیش دو تین سو کتابیں لکھیں جن میں سے تقریباً ایک سو پانچ کتابوں کے نام کی فہرست ابن عساکر نے "تبیین کذب المفتری" میں دی ہے۔

اہل السنت والجماعت میں امام اشعری کے دو معاصر تھے۔ مشرق میں امام ابو منصور الماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) جو امام الہدیٰ کے نام سے مشہور ہیں وہ امام محمدؒ شاگرد (امام ابی حنیفہؒ) کے شاگرد امام ابی بکر الجوزجانی کے تلمیذ رشید تھے۔ انہوں نے امام ابی حنیفہؒ کی "فقہ اکبر" کی شرح لکھی۔ اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں:

| | |
|---|---|
| کتاب تاویلات القرآن | کتاب بیان اوہام المعتزلہ |
| کتاب التوحید | کتاب ردالادلہ للکعبی |
| کتاب المقالات | |

دوسرے معاصر مغرب میں امام ابو جعفر طحاوی (۲۲۹-۳۲۱) تھے جو پہلے شافعی المذہب تھے مگر حنفی مسلک کی معقولیت سے متاثر ہو کر حنفی ہو گئے تھے اور اس میں یہ رتبہ بہم پہنچایا کہ مصر میں رئیس الاحناف مشہور ہوئے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے:[1]

"انتهت اليه رياسة اصحاب ابی حنيفة"

ان کا شمار مشاہیر محدثین میں ہوتا ہے اور حدیث و فقہ میں ان کی تصانیف آج بھی مستند سمجھی جاتی ہیں۔ انہوں نے عقائد اسلام کو "بیان السنہ" کے نام سے قلمبند کیا جو آگے چل کر "عقیدہ طحاوی" کے نام سے مشہور ہوا۔

ہندوستان میں ان دو بزرگوں کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ "عقیدہ طحاوی" درس میں شامل تھی اور علمائے ہند نے اس کی شرح بھی لکھی۔ لیکن اول الذکر یعنی امام ابو منصور الماتریدی کو تو وہ قبول عام نصیب ہوا کہ ان کا مسلک ہی یہاں کا مسلک مختار قرار پایا۔ چونکہ ہندوستان میں ابتدا ہی سے حنفی مذہب پر عمل رہا ہے اس لئے یہاں کے علماء خود کو ماتریدی کہتے ہیں۔ بایں ہمہ اشاعرہ سے ان کا استفادہ عملاً جاری رہا اور عموماً اشعری تعلیمات ہی یہاں مروج رہیں۔ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں معمولی اور جزئی اختلافات ہیں جو عموماً نظر انداز کر دیئے جاتے ہیں۔

امام ابوالحسن الاشعری کے شاگردوں میں ابوالحسن الباہلی اور ابن مجاہد الطائی بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ان دونوں کے شاگرد قاضی ابوبکر الباقلانی، ابو اسحٰق الاسفرائنی اور استاذ ابن فورک تھے۔ یہ تیسرے طبقے کے اساطین اشاعرہ ہیں۔ اور ان میں قاضی ابوبکر الباقلانی زیادہ مشہور ہیں۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

| | |
|---|---|
| وکثر اتباع الشيخ ابی الحسن الاشعری و اقتفی طريقته من بعده تلميذه کابن مجاهد | امام ابوالحسن الاشعری کے پیرو بہت زیادہ تھے ان کے بعد ان کے شاگرد مثلاً ابن مجاہد وغیرہ ان کے نقش قدم پر چلے۔ ان لوگوں |

[1] وفیات الاعیان لابن خلکان جلد اوّل۔

وغیرہم واخذ عنہم القاضی ابوبکر الباقلانی فتصدّر للامامۃ فی طریقتہم وھذبہا ووضع المقدمات العقلیۃ التی تتوقف علیہا الادلۃ والانظار۔

سے قاضی ابوبکر الباقلانی نے علم حاصل کیا اور ان کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق قوم کی رہنمائی کی۔ انہوں نے اس طریقۂ کلامیہ کی تہذیب و اصلاح کی اور اُن مقدمات عقلیہ کو وضع کیا جس پر اصل دلائل و مباحث کا انحصار ہے۔

قاضی ابوبکر الباقلانی کا اشعری علم کلام کی ترقی میں بہت بڑا حصہ ہے وہ مالکی فقہ کے بہت بڑے عالم تھے اور اشعری علمِ کلام کی تائید میں متعدد کتابوں کے مصنف۔ امام باقلانی کے بعد ابوالمعالی امام الحرمین کا نام آتا ہے جو امام غزالی کے اُستاد تھے۔ امام الحرمین نے علمِ کلام میں "کتاب الشامل" لکھی پھر اُسے مختصر کر کے ملخص کا نام "کتاب الارشاد" رکھا جو عرصے تک عقائد اہل السنت والجماعت کی درسی کتاب رہی۔

اسی زمانہ میں منطق اور فلسفہ کا رواج عام ہو گیا اس لئے کلام اور فلسفہ میں خلط ملط ہو گیا۔ لہٰذا ضرورت سمجھی گئی کہ جہاں فلسفہ عقائد ایمانیہ کے خلاف ہے اُس کی تردید کی جائے۔ اس نئے اندازِ فکر کی ابتدا امام غزالی نے کی۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

واول من کتب فی طریقۃ الکلام علی ھذا المنحی الغزالی رحمہ اللہ وتبعہ الامام ابن الخطیب و جماعۃ وقفوا اثرھم واعتمدوا تقلید ھم۔

سب سے پہلے اس انداز پر علمِ کلام میں امام غزالی نے لکھا۔ امام رازی نے اور دوسرے لوگوں نے اُن کی پیروی کی، اُن کے نقشِ قدم پر چلے اور اُن کی تقلید پر اعتماد کیا۔

طریقِ سنت کے احیاء اور مذہب اہلِ حق کی تائید و نصرت کی بناء پر امام اشعری، قاضی ابوبکر الباقلانی، امام غزالی اور امام رازی تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی کے مجددینِ ملت کہلاتے ہیں۔ امام اشعری کی کلامی خدمات کا تذکرہ اوپر گذرا۔ قاضی ابوبکر الباقلانی کے انتقال پر منادی ان کے جنازے کے آگے کہتا جاتا تھا:

"ھذا ناصر السنۃ والدین، ھذا امام المسلمین، ھذا الذی کان یذب عن الشریعۃ السنۃ المخالفین ھذا الذی صنف سبعین الف ورقۃ رداً علی الملحدین"

یہ سنت اور دین کے مددگار ہیں، یہ مسلمانوں کے امام ہیں، یہ وہ ہیں جو شریعت کو مخالفین کی زبان درازی سے بچاتے تھے، یہ وہ ہیں جنہوں نے ملاحدہ کے رد میں ستر ہزار اوراق لکھے۔

امام غزالی کے "تہافۃ الفلاسفہ" نے واقعی فلسفہ و الحاد کی بنیادیں کھوکھلی کر دیں اور امام رازی کو تو بجا طور پر سرخیلِ متکلمین کہا جا سکتا ہے۔ یہاں تک کہ اُن کے مخالفین بھی اُن کی مخالفت میں اس سے زیادہ نہ کہہ سکے:

گر بعقل و رائے کا ر دیں بدے　　　فخر رازی رازدار دیں بدے

امام رازی کے ایک شاگرد مولانا بدرالدین دمشقی دہلی آئے اور یہیں متوطن ہو گئے۔ وہ غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔

امام غزالی کے متاخر معاصرین میں سے امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد تھے جنہوں نے ۵۳۷ھ میں وفات پائی۔ وہ ایک جلیل القدر حنفی فقیہ تھے۔ انہوں نے اہل السنت والجماعت کے عقائد کو ایک متن متین کی شکل میں مدوّن کیا جو بعد میں "عقائد نسفی" کے نام سے مشہور ہوا۔ آٹھویں صدی میں علامہ تفتازانی نے اس کی شرح لکھی اور بے شمار علمائے روم نے اس شرح پر حواشی لکھے۔ "شرح عقائد نسفی" ہندوستان میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوئی اور آج تک یہاں کے درس میں داخل ہے۔

ایک دوسرے حنفی امام علامۃ الکمال ابن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ نے امام غزالی کی "الاقتصاد" اور "قواعد العقائد" کی مدد سے "کتاب المسایرہ" تصنیف کی جس پر ان کے ہم نام کمال الدین محمد بن ابی شریف المقدسی المتوفی ۹۰۵ھ نے "المسامرہ" کے نام سے شرح لکھی۔

## علم کلام کا چوتھا دور

امام رازی کی وفات کے بعد تاتاریوں کا سیلاب اُمنڈ پڑا جس نے ۶۵۶ھ میں آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر کے عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ فتنہ تاتار نے اسلامی ثقافت کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسفہ کی تعلیم پر جو پابندیاں تھیں اُن کی گرفت ڈھیلی ہو گئی۔ مدارس میں اہلِ علم نے فلسفہ اور کلام کو ساتھ ساتھ پڑھانا شروع کیا اور کچھ عرصے میں دونوں کا موضوع تقریباً ایک ہی ہو گیا۔ لہٰذا کچھ ہی دنوں میں علم کلام اور فلسفہ میں خلط ملط ہو گیا اور علم کلام کا ایک نیا طریقہ جاری ہوا۔ ابن خلدون لکھتا ہے:

ثم توغل المتاخرون من بعدهم فی مغالطة کتب الفلسفة والتبس علیهم شان الموضوع فی العلمین فحسبوه فیهما واحداً من اشتباه المسائل فیهما ..... ولقد اختلطت الطریقتان عند هؤلاء المتاخرین والتبست مسائل الکلام بمسائل الفلسفة بحیث لا یتمیز احد الفنین من الآخر ولا یحصل علیه طالبه من کتبهم کما فعله البیضاوی فی الطوالع ومن جاء بعده من علماء العجم فی جمیع تالیفهم۔

پھر اس کے متاخرین نے کتب فلسفیہ کی مخالطت نے بہت زیادہ مبالغہ کیا اور دونوں فنون کے موضوع کی حیثیت کے فرق کو فراموش کر دیا اور مسائل کی مشابہت کی وجہ سے دونوں کا موضوع ایک ہی سمجھا..... اور متاخرین کے نزدیک دونوں طریقے خلط ملط ہو گئے اور مسائل کلامیہ مسائل فلسفیہ کے ساتھ مل گئے بدیں طور کہ ایک فن دوسرے سے ممتاز نہ رہا اور نہ طالب فن اُن کی کتابوں سے اسے حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ناصر الدین بیضاوی نے "طوالع الانوار" میں کیا ہے اور ان کے بعد دوسرے عجمی علماء نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔

اس نئے اندازِ فکر کی بناء ابنِ خلدون کی رائے میں قاضی ناصر الدین البیضاوی (المتوفی ۶۸۵ھ) نے "طوالع الانوار" میں ڈالی لیکن غالباً اس کا بانی محقق طوسی (المتوفی ۶۷۲ھ) ہے جو مشہور شیعی متکلم اور فلسفہ کا عالم متبحر تھا۔ محقق طوسی کی "تجرید العقائد" نے چوتھے دور کے کلامی ادب کی پیداوار میں خصوصی حصہ لیا ہے۔ اس پر متعدد شروح و حواشی لکھے گئے لیکن تین شرحیں زیادہ مشہور ہیں۔

(۱) شرح تجرید للشیخ جمال الدین حسن بن مطہر العلی (المتوفی ۷۲۶ھ) جو آج بھی ہمارے یہاں شیعی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔

(۲) شرح تجرید لشمس الدین محمود بن عبدالرحمٰن الاصفہانی (المتوفی ۷۴۶ھ) جو شرح قدیم کے نام سے مشہور ہے اور

(۳) شرح تجرید لملا علاء الدین علی القوشجی (المتوفی ۸۷۹ھ) جو شرح جدید کے نام سے موسوم ہے۔

شرح قدیم پر میر سید شریف الجرجانی (المتوفی ۸۱۶ھ) نے حاشیہ لکھا جو حاشیہ تجرید کے نام سے مشہور ہوا۔ روم کے مدارس میں اُس کے درس کا عام رواج تھا اکثر علمائے روم نے اس پر حواشی لکھے۔ شرح جدید (للقوشجی) کے حاشیوں میں محقق دوانی (المتوفی ۹۰۸ھ) اور میر صدر الدین الشیرازی (المتوفی ۹۰۳ھ) کے حواشی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں اور ان میں سے بھی محقق دوانی کے پہلے دو حاشیئے یعنی حاشیہ قدیمہ اور حاشیہ جدیدہ ہندوستان میں زیادہ مشہور ہوئے۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ آٹھویں صدی کے نصف اوّل میں قاضی عضد الدین الایجی نے جن کے متعلق خواجہ حافظ کہتے ہیں :

دگر شہنشۂ دانش عضد کہ در تصنیف بنائے کار مواقف بنام شاہ نہاد

علمِ کلام میں دو کتابیں لکھیں جنہیں ہندوستان میں بھی قبولِ عام کا شرف حاصل ہوا۔

(۱) مواقف : جس پر میر سید شریف الجرجانی نے شرح لکھی۔ شرح مواقف پر متعدد علماء نے جن میں ہندوستان کے مشاہیر فضلا بھی شامل ہیں حواشی تحریر کئے۔

(۲) عقائد عضدی : اس پر بہت سے علماء نے شروح لکھیں مگر مقبولیت صرف محقق دوانی کی شرح کو حاصل ہوئی۔ یہ شرح ہندوستان کے عربی مدارس میں زیر درس رہی ہے اور اکثر علمائے ہند نے اس پر حواشی لکھے ہیں۔

آٹھویں صدی کے نصف دوم میں علامہ سعد الدین تفتازانی نے علم و ادب کی خدمت کی۔ علمِ کلام میں اُن کی دو کتابیں مشہور ہیں :

(۱) مقاصد اور اُس کی شرح "شرح المقاصد" اور

(۲) شرح عقائد نسفی۔

سب سے زیادہ مقبولیت "شرح عقائد نسفی" کے حصّے آئی۔ روم و ہندوستان کے اکثر علماء نے اس پر حواشی تحریر کئے، جن میں خیالی کا حاشیہ زیادہ مشہور ہے۔ شرح عقائد نسفی آج بھی ہمارے یہاں مدارس عربیہ کے نصاب میں داخل ہے۔

نویں صدی نے عجم کے آخری محقق کو پیدا کیا۔ یہ محقق جلال الدین الدوانی ہیں۔ جس کلامی فلسفہ یا فلسفیانہ علم کلام کی بنیاد محقق طوسی نے ڈالی تھی محقق دوانی پر اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ جلال الدین دوانی کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور انکی تصانیف مثلاً حواشی قدیمہ و جدیدہ اور شرح عقائد عضدی ہمارے یہاں عرصے تک داخلِ درس رہیں۔ اس سے قطع نظر ہندوستان کے اکثر مدارس محقق دوانی کے سلسلۂ تلمذ میں منسلک ہیں اور اکثر علماء نامدار کا سلسلۂ تلمذ محقق تک پہنچتا ہے۔

محقق دوانی پر یہ اجمالی خاکہ ختم ہو جاتا ہے جس سال محقق نے وفات پائی (۹۰۷ھ) اُسی سال ایران میں صفوی سلطنت کی بُنیاد پڑی جو ایک نئے معاشرتی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ ایران میں اس کے بعد بھی مفکرین و حکماء پیدا ہوتے رہے اور ہندوستان کے علماء و فضلاء اُن سے متاثر بھی ہوئے جیسے میر باقر داماد، صدرالدین شیرازی (شارح ہدایۃ الحکمت) ملا ہادی سبزواری وغیرہم۔ مگر یہ متکلم نہیں تھے فلسفی تھے۔

(برہان)

---


# مطبوعاتِ بزمِ اقبال

مجلہ اقبال۔ مدیر:۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار

سہ ماہی اشاعت۔ دو انگریزی دو اردو شماروں میں قیمت سالانہ دس روپے۔ صرف اردو یا انگریزی پانچ روپے۔

| | | |
|---|---|---|
| میٹافزکس آف پرشیا | مصنفہ علامہ اقبال | ۵ــ۰ــ۰ |
| اِیج آف دی وسٹ اِن اقبال | مصنفہ مظہر الدین صدیقی | ۲ــ۰ــ۰ |
| اقبال اینڈ والنٹرزم | مصنفہ بشیر احمد ڈار | ۶ــ۰ــ۰ |
| ذکرِ اقبال | مصنفہ عبد المجید سالکؔ | ۵ــ۰ــ۰ |
| اقبال اور ملا | مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم | ۰ــ۱۲ــ۰ |
| مکاتیبِ اقبال | بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم | ۱ــ۴ــ۰ |
| تقاریر یومِ اقبال | ۱۹۵۷ء | ۱ــ۴ــ۰ |
| علامہ اقبال | مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم | ۱ــ۸ــ۰ |
| فکرِ اقبال | مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم | ۱۰ــ۰ــ۰ |
| منشورات اقبال | | ۲ــ۰ــ۰ |
| فلسفہ اقبال | مرتبہ بزمِ اقبال | ۶ــ۰ــ۰ |

ملنے کا پتہ

سکرٹری بزمِ اقبال۔ نرسنگداس گارڈن۔ لاہور